شاعری کا بھوت

فاروق احمد انصاری

شاعری کا بھوت ہر اس بندے پر سوار ہوتا ہے جو میٹرک میں ہو

ہم نویں جماعت کا امتحان دے کر چھٹیاں منا رہے تھے سوچا کیوں نہ شاعری کو اپنا کر دھما کہ کیا جائے چنانچہ رات کو اپنے کمرے میں بیٹھے سامنے شمع عرف موم بتی جل رہی تھی اور ہم اس کی لو پر نظریں گاڑے مصرعہ کی تلاش میں تھے کہ اچانک ہمارے چھوٹے بھائی اندر آدھمکے تھے۔ غلطی یہ ہوئی کہ کنڈی لگانا بھول گئے وہ ہمیں مراقبے میں اور موم بتی کو دیکھ کر بھاگے اور امی جان کے سامنے اعلان کرتے ہوئے بولے امی جان، بھائی جان ٹیلی پیتھی سیکھ رہے ہیں۔ ہم تو موم بتی بجھا کر فوراً امی کے پاس بھاگے امی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ٹیلی پیتھی کیا ہے فوراً ڈانٹتے ہوئے بولیں

یہ ٹیلی میلی میتھی کیا ہے

ہم تو سٹپٹائے اور فوراً بات بناتے ہوئے بولے

وہ ٹیلی میتھی یہ ہے کہ ٹیلی معنی دور اور میتھی ہم کو پسند نہیں لہذا میتھی کو دور کر رہے تھے میتھی پکی ہوے تو لگتاہے جیسے جھاڑو پکادی ہو ویسے میں چند دنوں کے بعد ٹیلی ٹنڈا ٹیلی بھنڈی اور وہ سبزیاں جو مجھے پسند نہیں وہ بھی کروں گا تاکہ ان سے جان چھوٹے آخر دوروز کی کوشش سے مصرع آہی گیاوہ یوں تھا

بڑی اداس آنکھیں لے کر بیٹھا ہوں

دوسرا مصرع فوراً کودا

میرا چشمہ کہیں کھو گیا ہے شاید

بس جناب اپنے اس اکلوتے شعر پر اس قدر خوش ہوئے کہ اپنے آپ کو داد دینا چاہی تو ہماری کہنی میز پر پڑی دوات صاحبہ پر پڑی۔ وہ گلاس سے ٹکرائیں۔ دونوں کے ٹکرانے سے آواز آئی اور دوات تو ہماری گود میں کود گئیں اور اللہ میاں نے ہماری گود بھر دی بھئی نیلی سیاہی سے اور گلاس صاحب نے میز سے کود کر خودکشی کرلی۔ لہذا گلاس صاحب کی لاش کو اٹھایا اور دوات کو بھی اور ڈسٹ بن میں دفنا آئے۔ مگر انٹلی جنس کے جاسوس ہمارے چھوٹے بھیا نے سارے رپوٹ امی جان کے گوش گزار کر دیا ور۔۔۔

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

ہم نے سوچا شاعری نہ سہی پیروڈی ہی سہی۔ علامہ اقبال کے ایک شعر کی ریڑھ (رے ڑھ) لگائی

پستوں کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

ڈاکو بندے سے خود پوچھے بتا تیری تنخواہ کیا ہے

مگر جناب اس رات علامہ اقبال صاحب خواب میں آئے

اور اس زور سے ڈانٹا کہ ہم نے علامہ اقبال کی شاعری پڑھنا چھوڑ دی اس کے بعد ایک مشہور گلوکار کی

غزل کا شعر جو بہت بجتا تھا لہذا ہم نے بھی اس کو بجایا

جب امتحان آئے تو فوٹو اسٹیٹ کی دکان پر چل نکلا

یاد کرنا چھوڑ دیا میں بڑا پاگل نکلا

یہ شعر مولوی شبیر الدین عرف چکنے گھڑھے کو سنایا تو ان کے منہ سے پان کی پیک نکلی (غصے سے) اور

ہمارے کپڑوں کو رنگین بنا گئی

در اصل وہ اس گلوکار کے پرستار تھے۔ اور پان کی دکان پہ یہی غزل اکثر دیکھی تھی یعنی سنی تھی۔ اور چندیا

تھی ان کی لہذا انھیں چکنا گھڑا کہتے تھے۔ ہمیں غصہ

جو آیا زور سے کہا "چکنا گھڑا" اور بھاگ آئے

ایک مرتبہ ہم پان کھانے چکنے گھڑے کی دکان پر گئے اور میٹھا پان مانگا پہلے تو بڑے غصے میں تھے۔ لیکن ہم نے پہلی مرتبہ پان مانگا تھا

لہذا بنانے لگے پان

تین دوست اور آ گئے اور کہنے لگے یار ہمیں بھی پان کھلاؤ

ہر شاعر کی طرح ہماری جیب بھی ہلکی تھی لہذا کہا پان تو نہ کھلا سکیں گے شعر کھلا سکتے ہیں اگر کھا سکو

ارشاد

پیسے نہ ہوں گے جیب میں نہ کھلائیں گے پان ہم

جتنا بھی اصرار کرو گے ہم بھی بہت چکنے گھڑے ہیں

بس جناب چکنے گھڑے کو غصہ آیا۔ مارنے کے لیئے جھکے۔ کتھا اور چونا سارا ان کے کپڑوں پر اور 'ریڈ اینڈ وائٹ' ہو گئے ہم بھی بھاگے اور وہ بھی پیچھے۔ ہم نے سوچا یا اللہ یہ زمین پھٹ جائے اور ہم اس میں سما جائیں۔ دعا قبول ہوئی اور ہم ایک کھلے گٹر میں تھے۔ اور چکنے گھڑے پریشان کہ ہم کہاں غائب ہو گئے

ختم شد